تحقید
جلد04، شمارہ01، جون2023

اقبال کی فارسی مثنوی پس چہ باید کرد کا پہلا منظوم پنجابی ترجمہ

ساجد اقبال
پی ایچ ڈی، سکالر (اردو)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
وقار احمد
پی ایچ ڈی، سکالر (اردو)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

p ISSN: 2789-4169
e ISSN :2789-6331
Received: 31-5-2023
Accepted:
Online:

Copyright: © 2023 by the authors. This article distributed open-accessis an under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT:"Pas Cheh Baaed Kard" is one of Iqbal's master pieces. The poem belongs to the genre of Masnavi (a Persian genre). The poet in the poem has discussed two themes: decayed conditions of the Muslims coupled with fake intellectualism and the suffering resources of Asian nations. Masnavi shows Iqbal's request to the Holy Prophet (PBUH) for his health free from illness, but the pang of ummah overwhelms personal pain.

So far there have been three poetic translations (Punjabi) of "Pas Cheh Baaed Kard". The translation of Sayyed manzoor Haider is the first one and is very important in term of language, expression and meanings. It was a difficult task to translate a poetic intellectual endeavor into a poetic translation but sayyed manzoor haider worked very hard and diligently.

کلیدی الفاظ: مثنوی، منظوم ترجمہ، امہ، زبان، مفہوم، پنجابی

اقبال کی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" ۱۹۳۶ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ مثنوی "مسافر" بھی اسی زمانے سے متواتر اس کے ساتھ چھپتی رہی، حالاں کہ "مسافر" ایک الگ مثنوی ہے جو اقبال کے سفر افغانستان کے واقعات سے متعلق ہے۔

"پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" کا پس منظر اقبال کی بیماری سے تعلق رکھتا ہے۔ علامہ علاج کی غرض سے ایک زمانے میں بھوپال گئے تھے۔ بھوپال میں قیام کے دوران ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء کی رات عالم خواب میں ان کی ملاقات سر سید احمد خان سے ہوئی۔ انھوں نے اقبال کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی بیماری کا حال رسالت مآب ﷺ کے سامنے بیان کریں۔ چناں چہ اقبال جب بیدار ہوئے تو یہ شعر ان کی زبان پر رواں تھا:

با پرستاران شب دارم ستیز
باز روغن در چراغ من بریز

مثنوی کے اشعار میں اقبال کی ذاتی عرض داشتیں دو یا تین ہی ہیں، فکر کا بیشتر حصہ مسلم اُمّہ کے قومی اور اجتماعی مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ "پس چہ باید کرد۔۔۔" قوم کے زوال، ملک کے ناگفتہ بہ حالات اور دوسری مشرقی اقوام کی اجتماعی اور سیاسی صورت حال پر خیالات کا فکر انگیز اظہار ہے۔

"پس چہ باید کرد" میں کل ۱۴ عنوانات ہیں اور ۵۰۰ سے زیادہ اشعار ہیں۔ اقبال کے دیگر فارسی کلام کا جہاں ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں تراجم ہوتا رہا ہیں ہے، وہاں مذکورہ مثنوی بھی بیشتر مترجمین کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ اردو میں تو اس کے کئی منظوم اور نثری ترجمے ہوئے ہیں لیکن پنجابی میں اب تک اس کے صرف تین منظوم تراجم سامنے آئے ہیں۔ سید منظور حیدر کو اس سلسلے میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ سید منظور حیدر پنجابی اور اردو کے کہنہ مشق شاعر تھے۔ فارسی زبان پر کامل دست گاہ رکھتے تھے اور ہمہ تن ادب اور تصوف میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سید منظور حیدر کا ترجمہ "ہن کی کریے" ۱۹۸۴ء میں بزم اقبال نے شائع کیا تھا۔ فتح محمد ملک اس ترجمے کے روح رواں تھے۔ سید منظور حیدر ترجمے میں ملک صاحب کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ملک اوراں فرمایا جے "تسیں پس چہ باید کرد ناں ترجمہ کیوں نہ کرو۔" نال اپنی الماری چوں کتاب کڈھ کے میںڈھے حوالے کیتی تے ہتھ بنھا کے تلہ گنگ ٹور دتو نیں۔ سچی گل اے اس تھاپڑے ناں اثر چنگا چوکھا ہویا تے میں وی اپنی زندگی چ ہک کم پورا کر گھدا۔"(۱)

سید منظور حیدر نے اپنے منظوم ترجمے میں ۱۲ عنوانات قائم کیے اور رسالت مآب کے تتنے والے اشعار کا کے زیر عنوان ترجمہ انھوں نے نہیں کیا گویا مثنوی کے ۱۶۲ اشعار "ہن کی کریے" کے ترجمے میں شامل نہیں۔

بخوانندہ کتاب

پس چہ باید کرد کا یہ ابتدائی عنوان ہے اس کے تحت آنے والے اشعار میں اقبال نے عقل کے مقابل عشق کی اہمیت واضح کی۔ سید منظور حیدر نے اس عنوان سے صرف نظر کیا۔ انھوں نے اپنے ترجمے کا آغاز بخوانندہ کتاب کی بجائے تمہید سے کیا۔

تمہید

پس چہ باید کرد کا دوسرا عنوان تمہید ہے۔ سید منظور حیدر نے تمہید کو بسم اللہ کے عنوان کے تحت استعمال کیا ہے۔ بسم اللہ کی معنویت تمہید کے مقابلے میں بالکل واضح ہے۔

تمہید کے زیر عنوان آنے والے اشعار میں اقبال نے مومن کی صفات اور اس کے امور دینی و دنیوی کو بیان کیا۔ انھوں نے مولانا روم کو مومنوں کے قافلے کا سالار قرار دے کر ان کی رہنمائی کو روحانی دنیا سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔ مفہوم کو واضح کرنے کے لیے سید منظور حیدر کو اگر اشعار کی تعداد میں اضافہ بھی رکنا پڑا تو انھوں نے اس سے دریغ نہیں کیا۔ ان کے ہاں پنجابی محاورہ، روز مرہ اور لفظیات کے

چنائو میں ایک خاص نفاست اور ریاضت نظر آتی ہے۔ ان کی واضح کوشش ہے کہ مثنوی کے اشعار کے تراجم میں عربی، فارسی اور اردو کے الفاظ کا استعمال نہ ہو بلکہ خالص پنجابی لفظیات کو برتا جائے۔ وہ مفہوم کو واضح کرنے کے لیے مقامیت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ترجمے کو اپنے کلچر کی آواز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

نور قرآن توں روشن ہویا اہجیا اس دا سینہ
جس دے کرم نظر دی سٹے اندر چانن تھینا
ونجلی آلے ونجلی اُتے اہجے انگ سو مارے
ستیاں پیڑاں جاگ پیاں تے ہوش و حواس وسارے(۲)

سید منظور حیدر نے تلہ گنگ کے خالص پنجابی لہجے ''لہندا'' کو بڑی نفاست سے برتا ہے۔ اس زبان (لہندا) میں استعمال ہونے والے الفاظ جیسے وتن، وتنا، تھینا، توہنڈا، آنھ، مانہہ، توآں، کانھ وغیرہ خاص طور پر ''لہندا'' زبان کی پہچان ہیں۔ سید منظور حیدر نے اسی مقامی پنجابی بولی کو اہمیت دی ہے وہ لکھتے ہیں:

''سڈے پاسے نی زبان آں ''لہندا'' آکھیاوینا۔ میں کوشش کیتی اے جے خالص اسے زبان وچ ترجمہ کیتا ونجے۔''(۳)

سید منظور حیدر لفظی ترجمے کو بالکل اہمیت نہیں دیتے بلکہ مفہوم کے قریب رہتے ہوئے ترجمے کو مقامیت کی آواز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں مقامی رسوم و رواج، کھیل تماشے، رہن سہن کے انداز اور دیگر ثقافتی عناصر سب ان کے ترجمے میں پیوند ہو جاتے ہیں۔ مثنوی میں ترجمے کی تمام فضا اپنی ثقافت کی آواز بن جاتی ہے۔

مت گدائیں انہاں اتے مال اے سارا کھوٹا
انھاں کتا ساہ نہ مارے بھاویں ہووے موٹا(۴)

کلیوں کھول کے رسیاں جے کوئی گل پنجابی پاوے
ساڈے لولے ڈگھیاں ای آزادی نظری آوے(۵)

دنیا وچ ہک بھم تپا کے دتی انج بھوانی
جوں چٹوری وچوں کڈھیے مکھن مار مدھانی(۶)

دنیادار دے کن وچ انجے عاشق دی فریاد اے
دنداں دے میلے چوں منگو جو شعراں دی دادے (۷)

خطاب بہ مہر عالم تاب

اقبال شکوہ کرتے ہیں کہ مشرق کی رات دن میں بدلتی ہی نہیں۔ مشرق کے افکار پر رات کی سی سیاہی چھائی ہوئی ہے۔ اس کے دریائے فکر سے کوئی لہر اٹھ نہیں سکتی لہٰذا تطہیر فکر ضروری ہے۔

مثنوی کے اس عنوان کا ترجمہ ا سید منظور حیدر نے ''چڑھیا دیہوں خدا نیا'' کیا ہے۔جو فطری معلوم ہوتا ہے۔ یہ عنوان عوامی(پنجابی)روزمرہ کے قریب ہے۔اس ترجمے میں حرارت، تاثیر اور زندگی آمیز تروتازگی پائی جاتی ہے۔

چڑھیا دیہوں خدا نیا اے ابھے نیا خاناں
تو ہنڈیاں لشکاں ذریاں تائیں روشن کیتیاں جاناں
توہندے سیک دے نال اے سارا تا حیاتی آلا
تدھ جگایا ستیاں مویاں اندر شوق وکھالا
چٹی ددھ ندی وچ توہنڈی کشتی وگدی جاوے
ہتھ کلیم دا آکھاں تینوں کجھ سمجھ نہ آوے(۸)

سید منظور حیدر پنجابی الفاظ کی کھوج میں بہت دور تک گئے ہیں۔مناسب الفاظ کی مناسب صحت کے ساتھ استعمال ان کی اولین ترجیح ہے۔سوز سے سیک اور تا کی درجہ بدرجہ معنویت پیدا کرنا اور ذوق نمود سے حیاتی والا تا کی خیال افروز تصویر قائم کرنا زبان سے گہری رغبت کو واضح کرتا ہے۔نکھری ہوئی سفیدی کو چٹے ددھ (سفید دودھ) سے تشبیہ دینااور مومن کے ہاتھ کو استعارہ کلیم کا ہاتھ قرار دینا زبان و بیاں ن کو والہانہ تاثیر سے مالامال کر دیتا ہے۔

حکمت کلیمی اور حکمت فرعونی

مثنوی کے یہ دو ابتدائی عنوانات اسلامی اور غیر اسلامی نظام خیال کی نمائندگی کرتے ہیں۔اسلامی نظام حیات حکمت کلیمی ہے اور غیر اسلامی نظام خیال حکمت فرعونی ہے۔علامہ نے ان دونوں نظاموں کے تضادات اور خصوصیات کو پیش کیا ہے۔

پہلوں پہل تاں عشق تیسہ گھن پہاڑاں کھٹن
آخر آخر سر نذرانے چا کے رونے وتن
توں جے کجھ ای ویکھ رھیا ایں چنگا اے یا ماڑا
ہکا تونڈے دم دی خاطر پیا سب پواڑا
لا الہٰ توں انج کما جے اندروں چھٹن تارے
توہنڈے ہک اشارے نال ہی دیہوں بھوانی مارے(۹)

سید منظور حیدر کے ہاں ترجمہ شدہ متن کے بعض مقامات میں واضح تصرف نظر آتا ہے۔حاجی احمد فخری ترجمے میں تصرف کے اعجاز کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو لوگ مصنف کے انداز بیاں کی تقلید سے انحراف کرنے اور ترجمہ میں تصرف سے کام لینے کی قوت نہیں رکھتے ان کی ادبی زندگی محض عارضی اور چند روزہ ہوتی ہے بلکہ مرنے سے پہلے ہی ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔''(۱۰)

بعض اوقات یہ تصرف بے جا بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ اشعار میں نظر آ رہا ہے۔تصرف اگرچہ ترجمے کی خوبی ہے لیکن اگر یہ حد سے تجاوز کر جائے تو بجائے خوبی کے خامی بن جاتا ہے۔

تانبوت حکم حق جاری کند
پشتِ پا بر حکم سلطان می زند
حکم خدا دا ہوٹھاں اُتے آندا جاں نبیاں
بادشہاں نوں اندر اندری تاں ای پہلیاں پیاں(۱۱)

اصل متن کے ساتھ مذکورہ بالا شعروں کا موازنہ کرتے ہوئے چوہدری بشیر احمد لکھتے ہیں:

"۔سید منظور حیدر نے پہلے مصرعے کا ترجمہ کرتے ہوئے ڈائریکٹ بات نہیں کی لیکن دوسرے مصرعے کا تو متن کے الفاظ سے تعلق ہی نہیں بنتا۔"(۱۲)

مذکورہ بالا اعتراض کے ضمن میں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ یہ ترجمہ شاعری کی زبان میں ہے جس میں لاکھ کوشش کے باوجود سیدھی بات نہیں کی جاسکتی۔ یہ بات شاعری کے بنیادی رموز کے خلاف کہ بات سیدھے سادے انداز میں کی جائے۔ سید منظور حیدر کا پہلا مصرعہ مفہوم تو ادا کر رہا ہے لیکن سیدھے سادھے انداز میں نہیں ہاں دوسرے مصرع میں مفہوم مجروح ہوا ہے۔

لا الہٰ الا اللہ

مثنوی پس چہ باید کرد میں عنوان لا الہٰ الا اللہ فکری اعتبار سے بڑا اہم ہے۔ کلمہ طیبہ کے اجزا لا الہٰ اور الا اللہ ہیں۔ اول الذکر معبودان باطل کا انکار اور نفی ہے جب کہ الا اللہ رب العزت کا اثبات ہے۔ اقبال کے نزدیک لا الہٰ بندگان خدا کو خوف سے نجات دلاتا ہے لیکن الا اللہ کے بغیر زندگی توازن اور دسترس کو کھو دیتی ہے۔

لا تا الا چایا ہویا دو جہاں دا بھارا
لا تے الا اندر سمجھو چھپیا بھیت اے سارا
ایہا نے تقدیر جہاں دی ایہا کن فیکون اے
لا دے اندروں حرکت اٹھے الا وچ سکون اے
جدوں توڑی لا الہٰ دی رمز نہ آوے ہتھے
غیر اللہ دے پائے ہوئے طوق زنجیر نہ لتھے(۱۳)

سید منظور حیدر نے لا الہ کے زیر عنوان آنے والے اشعار میں غنائیت، دل گدازی اور خطابت کا ملا جلا تاثر پیدا کیا ہے۔ آہنگ، لوچ اور توازن ہر مصرع کے بدون اترا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ فنی لوازمات کو اتنی ہنر مندی سے استعمال کرتے ہیں کہ مفہوم کہیں بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ سید منظور حیدر نے ذو قافیتین کا استعمال کر کے موسیقیت کو ابھارا ہے وہ تکرار لفظی کو بھی اسی مقصد کے لیے بطور حربہ استعمال کرتے ہیں۔

لا ہک لاوے تاڑ پھاڑ تے وگے مار و مار اے (۱۴)
لگی سٹ تے لات منات وی تھی گئے ٹوٹے ٹوٹے(۱۵)
ہتھاں نال او مال پرانا اتاں اُلّی ونجن(۱۶)

اقبال نے فقر کی اہمیت واضح کرتے ہوئے غیر اسلامی فقر کو رد کیا۔ اقبال کے نزدیک فقر و درویشی رسالت مآبؐ کا طریقہ کار تھا لیکن کئی صوفیا کے ہاں یہ غلامی، کمزوری اور نادانی کی صورت میں سامنے آیا جس سے سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ مسلمانوں کو حقیقی اسلام اور حقیقی فقر پر توجہ دینی چاہیے۔ فقر کا ترجمہ سید منظور حیدر نے فقیری کیا ہے۔ پنجابی زبان میں فقیری ایک عام فہم لفظ ہے جو وہی مفہوم ادا کرتا ہے جو فقر میں ہے۔ فقیری کی اصطلاح پنجابی زبان میں صدیوں سے رائج ہے۔ پنجابی شعرا اور ادبا فقر کی اصطلاح کے مترادف یہی بولتے اور لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس لیے فقیری کی اصطلاح یہاں مناسب معلوم ہوتی ہے

آ دساں میں کی فقیری تے کیہڑے راہوں ملے
ویکھن آلی اکھ تے نالے ہک پھڑکن آلا دلے
اپنے عملاں صدق دی تکڑی اُتے جیہڑا تولے
لاالہ دے نشتر نال جو سینہ اپنا کھولے
جَو دی روٹی کھا کے خیبر توڑن اے فقیری
کملی آلے دی امانت خاص دا ناں فقیری
عشق رضا تے ہکا رب دی آس دا ناں فقیری(۱۷)

سید منظور حیدر یک نگاہ راہ بیں کا ترجمہ ''ویکھن آلی اکھ'' کرتے ہیں۔ متاع مصطفیٰ کی ترکیب کو وہ خوب صورت پنجابی ترکیب ''کملی آلی دی امانت'' کا جامہ پہناتے ہی۔ وہ جو بھی ترکیب لاتے ہیں معنویت کا حق ادا کرتی ہے۔ فقر اور فقیری کے جملہ لوازمات کو اپنی تہذیب کے تناظر میں دیکھتے اور بیان کرتے ہیں۔ عجز، توکل، رضاجوئی اور اعمال صالح کے وہ تصورات جو ہر ثقافت میں اپنی انفرادی آب و تاب لے کر وارد ہوتے ہیں ان کا قلم اپنی دیہی ثقافت کے ترازو میں تول کر انھیں بیش قیمت بنا دیتا ہے۔

ترجمے میں تخلیق کار کے اصل الفاظ کو دوسری زبان میں ہو بہو منتقل کرنا یا اسی صورت میں بیان کرا دینا ترجمے کے مقاصد سے میل نہیں کھاتا۔ اصل مقصد تو خیال اور مفہوم کو پیش کرنا ہے جس کے لیے مترجم کو اصل مصنف کے اسلوب کے ساتھ ہم آہنگ رہنا بھی ضروری ہے ورنہ نقصان اس صورت میں ہو گا کہ اصل مصنف اور مترجم کی راہیں الگ الگ نظر آئیں گی۔

گوہر نوشاہی کے بقول:

''مترجم کا مصنف کے اسلوب سے الگ رہنا ترجمے کے لیے یقیناً مہلک ہے کیوں کہ ایسا کرنے سے تحریر سے اصل مصنف کے غائب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔''(۱۸)

پنجابی کے میٹھے دل گداز اور معنویت سے بھرپور الفاظ و تراکیب کا مسلسل استعمال تخلیقی صلاحیت کا امتحان ہوتا ہے۔ فن ترجمہ نگاری میں تراجم وہی قابل ذکر مقام رکھتے ہیں جن کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے۔ سید منظور حیدر کا ترجمہ ثقافتی ترجمے کی بہترین مثال ہے۔

حال فقر دا دو جہان تو اگے قدم ودھاون
نئیں فقیری طبلے واجے ڈھول تے نچن گاون(۱۹)

اَنھ بازاں تو باز نہ آکھو کرن نہ جو شہبازی
گھگھیاں نال وی سوٹھا کر کے ہار دتونیں بازی(۲۰)

سید منظور حیدر کی زبان سادہ، عام فہم، تکلف سے پاک، رواں اور دلکش ہے۔ وہ عوامی زبان میں لکھتے ہیں۔ ادق اور بھاری تراکیب اور روزمرہ کو اپنی ثقافت کی سان پر رکھ کر چمکاتے ہیں۔ ان کی زبان میں جکڑ لینے اور چسپیدگی کی صلاحیت ہے۔

مرد حر

حر کا مطلب ہے آزاد۔ اقبال کے ہاں مسلمان، مومن، درویش ایسے کلمات اس کے مترادف مفاہیم کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ حر ایسا مرد درویش ہے جو اللہ اور اس کے نبی کے علاوہ کسی کے حکم کا پابند نہیں۔ وہ غلامی کو کسی طور تسلیم نہیں کرتا۔ وہ کبھی حالات کا شاکی نہیں ہوتا۔ برے حالات کو سدھارنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

سید منظور حیدر نے مرد حر کی ترکیب کے مترادف قلندر کی ترکیب برتی ہے۔ ان کے ہاں ترجمے کے عمل میں بعض مقامات پر تقابل کی کیفیت کو واضح کرنے کے لیے صنعت تقابل کا استعمال کیا ہے۔ یہ استعمال سید منظور حیدر کے ہاں فنی اور فکری لوازم کے اعتبار سے بہت دل چسپ ہے کیوں کہ تقابل میں چیزوں کی صفات کو واضح کرنا ہوتا ہے۔ کسی اچھائی کے مقابل برائی کے تاثر کو بیان کرنے کے لیے حکمت اور گہرے تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں تجربہ اور دانائی جتنی اعلیٰ درجے کی موجود ہو گی تاثر اتنا ہی بھرپور ہو گا۔

اوہدے تروکے نال ای پھُل دے منہ تے رونق آئی
ساڈی اگ بھی ٹھنڈی، اودے دھوئیں وچ روشنائی(۲۱)

اسی شکلاں دے وچ پھسے وہماں دے وچ پلے
او سارا کجھ کر دکھائے گھٹ کریندا گل اے (۲۲)

سید منظور حیدر نے صنعت تقابل کے استعمال میں جو وضاحت تاثر اور بے ساختگی ظاہر کی ہے اور جس سہل انداز اور خالص پنجابی محاورے اور روزمرہ کے ساتھ اس صنعت کا استعمال ترجمہ میں کیا ہے وہ پنجابی زبان پر گرفت اور زبان کے معنیاتی تجربوں کے بغیر ممکن نہ تھا۔ یہاں پر وہ فنی اُپج نظر آتی ہے جو منظوم فن ترجمہ نگاری کی بنیادی اینٹ ہے۔

ترجمہ کرتے وقت دونوں زبانوں پر عبور ضروری ہے لیکن جس زبان میں آپ ترجمہ کر رہے ہیں اس کے معنوی امکانات اور کلام کو خوبصورت بنانے اور تاثر بڑھانے والے ذرائع سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ تشبیہ کا استعمال ان ذرائع میں سے ایک ہے۔ ”مرد حر“ کے تحت آنے والے اشعار میں تشبیہات کا استعمال مترجم کے علمی اور ثقافتی میلانات سے اپنی ذاتی دل چسپیوں کا ایک آئینہ ہے۔ یہاں اس مقام پر فنی گرفت واشگاف وعیاں ہو جاتی ہے۔ ایک علمی اور فکری موضوع کو ترجمے کے اسلوب میں ڈھالنے اور آراستہ کرنے کے لیے مصنف کے سطح کی تبحر علمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں تشبیہات کا استعمال اتنا عامیانہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ خیال کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے اور نہ اتنا دوراز کار کہ مفہوم ہی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ یعنی ایک اعتدال پسند رویے کی ضرورت پڑتی ہے۔ سید منظور حیدر کے ہاں تشبیہات کا استعمال نزدیکی اشیا اور ماحول سے وابستہ ہے۔ دونوں بیش تر ایسی اشیا سے تشبیہ پیدا کرتے ہیں جو عمومی تجربوں کا حصہ ہیں۔

مرد قلندر ہک سمندر کینہ نہ گھدی ہاتھے
اُرے پُرے نالیوں وچوں بھر نہ اپنے کاسے (۲۳)

سینے وچوں کھولاٹ ایجیہا جوں دیگاں نیں چڑھیاں
پیراں ہیٹھاں آ کے اسدے ریت ہو ونجن پڑیاں(۲۴)

اسرار شریعت

دراسرار شریعت میں علامہ اقبال نے شریعت کے نظام معیشت پر اثرات و امکانات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اقبال نے نام نہاد دین فروش عالموں اور غلام احمد قادیان کے فتنوں سے بھی ملت کو آگاہ کیا کیوں کہ ان کی غلط تاویلات اسلام کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔

کھیڈ سیاست لسیاں کولوں کھس گھنن او روٹی
نہ او لِیر کفن دی چھوڑن نہ او تن تے بوٹی
نویں تہذیب دی اصل حقیقت سمجھو آدم خوری
پردہ رکھ تجارت آلا لہو پیون او چوری(۲۵)

مذکورہ بالا اشعار میں تہذیب نو اور انگریز کی سیاسی چالوں کو حدف تنقید بنایا گیا ہے۔ تنقید کے لیے جس بلیغ طنز کی ضرورت ہوتی ہے وہ سید منظور حیدر کے ہاں مختلف انداز میں بلاغت کی صورت میں نظر آتی ہے۔'

'طنز بنیادی طور پر ایک ایسے باشعور، حساس اور درد مند انسان کے ذہنی رد عمل کا نتیجہ ہے جس کے ماحول کا ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں نے تختۂ مشق بنالیا ہے۔"(۲۶)

زیر نظر عنوان کے ضمن میں آنے والے اشعار میں ضرب المثل اور محاورات کو نہایت بے ساختگی اور موضوع کی مناسبت سے فنی کاریگری سے برتا ہے۔ سید منظور حیدر کے ہاں اس کی چند مزید مثالیں ملاحظہ کریں۔

اپنے اندر ڈب کے اپنا دین ایمان سواریں
بھوئیں اُتے تھم کھلار کے توں نہ کچیاں ماریں(۲۷)

انہاں دے لڑ لگ ونج یارا سڈا حال نہ تکیں
پھوک کے گھر تماشا ویکھیں تاں کجھ ہاڈاں رکھیں(۲۸)

جیجاہ کوئی بی گڈیندا اوہجی فصل بھی جاوے
حق دے اگے اے ذلیل جے آوے تاں کیوں آوے(۲۹)

کی آکھاں اس قوم آں جیہڑی باہر لیاں دی کُٹھی
غیراں اگے سستی وک گئی اپنے گھر توں رُٹھی(۳۰)

مت گدائیں انھاں اُتے مال اے سارا کھوٹا
انھا کتا ساہ نہ مارے بھاویں ہووے موٹا(۳۱)

درج بالا اشعار میں شاعر نے ضرب الامثال اور محاورات کو استعمال کرتے ہوئے اپنی تہذیب اور اس کے نظم وضبط کو ملحوظ رکھا ہے جس سے اشعار میں دردمندی بھی پیدا ہو گی ہے اور لطافت بھی! زبان کے اندر ان محاورات اور ضرب الامثال کے استعمال نے فطری بلاغت پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے اشعار جاذبیت اور چاشنی سے ہم کنار ہو گئے ہیں۔

اشکی چند بر افتراق ہندیاں

سید منظور حیدر نے عنوان کا ترجمہ ''اپنا رووں'' کیا ہے۔

اس عنوان کے ذیل میں اقبال نے مسلمان قوم کی زندگی کی بے معنویت کو بیان کیا ہے۔ وہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان قوم کی زندگی حقیقی تابناکی سے محروم ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ فہم وفراست اور محبت کے جذبے سے محرومی ہے۔

بڈھے عقل دے کھڈے رہ گئے بے شعورے بے نورے
نوجواں محبتوں خالی بس مورے دے مورے
اج دنیا آزاد اے ساری ہک تساں میں پٹاں
غیراں اپنے محل بنائے پٹ اساڈیاں اِٹاں(۳۲)

شاعرانہ صنعت گری کا استعمال کلام کو خوب صورت، دلکش اور رنگین بنانے کا ایک ذریعہ ہے۔ منظوم ترجمے میں شاعرانہ صنعت گری کا استعمال بہت نازک معاملہ ہے کیوں کہ مفہوم کے قریب رہنے کے لیے آپ کے پاس بہت تنگ میدان ہوتا ہے جس میں تمام شاعرانہ لوازمات کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ تمام مقاصد حاصل کرنے ہوتے ہیں جو شاعرانہ تخلیقی جوہر بھی ظاہر کر دیں اور مفہوم بھی ادا ہو جائے۔ درج بالا اشعار میں سید منظور حیدر نے صنعت تجنیس اور مراعات النظیر کا استعمال بہت خوبی سے کیا ہے سید منظور حیدر کے ہاں صنعت تجنیس کی ایک اور مثال دیکھیے:

گلے وچ گل گھوٹو پوے گل نہ کیتی جاوے (۳۳)

صنعت تضاد کا استعمال بھی بہت موزوں اور بر محل ہے:

توں غلامی اندر جیویں آزادی وچ مریں(۳۴)

کلام کو خوب صورت بنانے کا ایک ذریعہ صنعت تکرار ہے۔ یہ معنویت کو اجاگر کرتی ہے اور موسیقیت بھی پیدا کرتی ہے۔ نیز قابل توجہ پہلو کو نکھارنے کے لیے اس کا استعمال شاعرانہ ضرورت بن جاتا ہے۔

بہہ جانے اور منبر اُتے سولی اُتے چڑھ جانے
موقع موقع جائی جائی اپنی قدر پچھانے(۳۵)

سیاست حاضرہ

سیاست حاضرہ اس مثنوی کا بہت اہم عنوان ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ اس زمانے کی سیاست کا غالب عنصر یہی ہے کہ دوسروں کو اپنا دست نگر اور آلہ کار بنایا جائے۔ غلامی کا شکنجہ ایسا ہو کہ کوئی نکل نہ پائے۔ آمریت یا ملوکیت کا موجودہ عہد میں مقصد انسانی سروں پر پہرہ بٹھانا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم ممالک ایک جیسے حالات سے دوچار ہیں۔ مسلمانوں کی حالت تو یہ ہے کہ لا الہ کہہ کر بھی غیروں کے آگے سر بسجود ہیں۔

سیاست حاضرہ کے عنوان کا ترجمہ سید منظور حیدر نے "اجو کی سیاست" کیا ہے۔ عنوان کا ترجمہ واضح کرتا ہے کہ وہ ترکیب تراشی کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے۔ "اجو کی سیاست" سیاست حاضرہ کے لیے ایک بامعنی اصطلاحی ترکیب ہے جو سید منظور حیدر کے اختراعی ذہن نے وضع کی۔

"سیاست حاضرہ" کے عنوان کے تحت اشعار میں تابع مہمل اور مرکب تابع موضوع کا استعمال بہت دل چسپانداز میں کیا گیا ہے۔ تابع مہمل کا استعمال پنجابی زبان میں بہت کثرت سے ہوتا ہے اور شاید ہی کوئی اور زبان ایسی ہو جس میں تابع مہمل کا استعمال اس قدر فراوانی سے کیا گیا ہو۔ پنجابی میں تابع مہمل کا استعمال کرتے ہوئے عموماً "ش" کا استعمال مہمل لفظ کی ابتدا میں آتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اس کے کئی استعمال پنجابی زبان میں زبان زد عام ہیں۔

مرکب تابع موضوع میں بامعنی لفظ کے ساتھ مہمل کی بجائے بامعنی لفظ استعمال میں آتا ہے۔ یہ مرکب نہ صرف معنویت کو بڑھاتا ہے بلکہ کلام کو شگفتہ، شستہ اور دل چسپ بناتا ہے۔ سید منظور حیدر کے ہاں تابع مہمل اور تابع موضوع کی مثالیں:

گلاں دے او بنھ پلوتے ایجہیا جال بچھاوے
چنگا بھلا پڑھیا گڑھیا سب سرتاں بھُل جاوے(۳۶)

دنیا دے وچ جمہور دا اٹھنا تک کے رولا گولا
بادشہی نوں بدلی کرنا پے گیا اپنا چولا (۳۷)

مال پلال تو کوٹھا بٹھلا چھوہ نہ اس دا قصہ
روشن اکھ تے دکھیا دل اے اصل فقیر دا حصہ (۳۸)

حرفی چند بہ امت عربیہ

حرفی چند بہ امت عربیہ یعنی عربوں سے چند باتیں کے عنوان میں اقبال نے عربوں کو اسلام کی نعمت کا احساس دلایا ہے کہ اسلام کی نعمت آپ کے ذریعے سے پوری دنیا کی اقوام تک پہنچی۔ اس نعمت نے ملوکیت کا خاتمہ کیا۔ مسلمانوں کے اندر بھائی چارہ قائم ہوا اور قرآن جیسی کتاب ہدایت ملی۔ چوں کہ نبی کریمؐ سرزمین عرب میں مبعوث ہوئے یوں تمام ہی عرب مسلمانوں کی نظر میں قابل تکریم ہیں لیکن افسوس کہ اہل عرب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے۔ باہمی نفاق میں الجھ کر وہ کئی قوموں میں تقسیم ہو کر رہ گئے۔ عربوں نے مغربی تہذیب کی چکاچوند کو گلے لگایا اور غیروں کے پیدا کردہ فتنوں کو نہ سمجھ پائے۔

پنجابی زبان میں چ اور وچ ایک ہی مفہوم یعنی "میں" کے استعمال ہوتے ہیں لیکن ان کا استعمال ضرورت اور موقع کی مناسبت پر بھی منحصر ہوتا ہے یوں شعرا کے ہاں ان کے استعمال کی مختلف حالتیں نظر آتی ہیں۔ محمد بشیر چوہدری نے سید منظور حیدر کے ترجمے پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا:

''املا کی یکسانیت کا حال سید منظور حیدر کے ہاں بھی کوئی قابل ستائش نہیں وہ صرف چ اور وچ ایک ہی معانی اور مفہوم کے لیے استعمال کر رہے ہیں حرف چ اور وچ دونوں ہی اردو لفظ ''میں'' کے معانی میں استعمال ہو رہے ہیں۔''(۳۹)

محمد بشیر چوہدری نے صرف یکسانیت کو مد نظر رکھا ہے وہ ضرورت اور موقع کی مناسبت کو نظر انداز کر گئے ہیں۔

لا دے اندروں حرکت اٹھے الّا وچ سکون اے (۴۰)
بنی آدم دے بت ہن اساں نوری رنگ چ رنگے(۴۱)
دوہاں جہاناں دا اس پینڈا ہک دو لاگھاں چ کیتا (۴۲)
سوز تاثیر چ گجھی ہوئی دل وچ گئی اے سیتی (۴۳)

درج بالا مثالوں میں الّا کے ساتھ اگر وچ کا حرف نہ لگایا جاتا تو مفہوم ہی بگڑ جاتا اسی طرح رنگ اور دولاگھاں کے ساتھ چ کا استعمال بالکل فطری ہے جو 'میں' کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ در حقیقت پنجابی لکھت اور بول چال کا مقبول عام رنگ ہے۔ آخری مصرعے میں چ اور وچ کا ایک مصرعے میں آنا شعری ضرورت کا حصہ ہے۔ یوں چ اور وچ کا استعمال لہجے، ضرورت اور مناسبت سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا کسی تحریر میں ان میں سے کسی ایک کے استعمال میں یکسانی کا تقاضا کرنا صحیح نہیں ہے۔

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق

اس عنوان کا ترجمہ سید منظور حیدر نے ''ہن کی کریے'' کیا ہے۔ زیر نظر عنوان اشعار میں اقبال نے اٹلی کے آمر مسولینی کے ان اقدامات کی مذمت کی ہے جن کی بنا پر ایک آزاد ملک ایتھوپیا پر حملہ کیا گیا۔ اقبال لیگ آف نیشنز کے کردار کی بھی مذمت کرتے ہیں۔ وہ اس ادارے کو کفن چوروں کی جماعت قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے دور رہنے اور امید نہ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

پنجابی زبان میں ناراضی اور تنقید کا نشانہ بنانے کے لیے طعنے معنے کا استعمال بہت عام ہے۔ طعنے تشنے کے اس انداز میں پنجابی کی کچھ مخصوص لفظیات ہیں جن کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ مخاطب ان الفاظ سے تلملا اٹھتا ہے۔ بعض اوقات تو ان الفاظ کے باطن میں ایسی چاشنی پائی جاتی ہے کہ سامعین و تماشابین خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ ''پس چہ باید کرد۔۔۔'' کے ترجمے میں اس قسم کی زبان مترجم نے بہت خوب صورتی سے استعمال کر کے بہت دلچسپ فضا پیدا کی ہے۔ ان کے ہاں ہمارا خالص پنجابی روز مرہ اتنی نفاست اور حسن و خوبی سے برتا گیا ہے جس کے باطن میں پوری تہذیب سانس لیتی نظر آتی ہے۔

توں فرنگی ناں توہنڈا تے پھٹن توہنڈیاں چالاں
تھک اے توہنڈی سوچاں اُتے لکھ لعنت ان حالاں(۴۴)

جے کجھ گھدا تیئں توں گھدا انھاں اج دیاں لوکاں
ساڈے بوہے پنن آلے مارن اساں ٹوکاں (۴۵)

بعض اوقات تو وہ استعاراتی انداز میں ایسی دل چسپ صورت میں طعنہ زنی کرتے ہیں کہ جس میں نصیحت پذیری کے ساتھ ساتھ واقعیت بھی سننے والے کے سامنے عیاں ہو جاتی ہے۔

گورا توڑی گل کریندا مونہوں تھی کے مٹھا
وچوں ڈنگا رے بے پیرا کینہ دا یار نہ ڈٹھا (۴۶)

اپنی دنیا آپ بنائو نویاں رکھ بنیاداں
انھاں کفنی چوراں اُتے کوئی نہ رکھو ہاڈاں(۴۷)

جب ایک غیر زبان کو آپ اپنا ارضی لباس پہناتے ہیں تو اس میں اپنے کلچر کے وہ تمام لوازمات بھی ہمارے مد نظر رہنے چاہییں جو معنویت کے حامل ہیں اور جن سے ہر کوئی آشنا ہے۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"کلچر اس کل کا نام ہے جس میں مذہب، عقائد، علوم، اخلاقیات، علامات، معاشرت، فنون، ہنر، رسم و رواج، افعال داری اور قانون، صرف اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسانی معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے متضاد، مختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک و مماثلت و مدت اور یک جہتی پیدا ہو جاتی ہے۔"(۴۸)

ترجمے میں روح (مفہوم) کو زخمی ہونے سے بچانا ضروری ہے لیکن جب تک آپ اس کے جسم کو اپنے ارضی لباس سے مزین نہیں کریں گے اس کی تفہیم اور ابلاغ ممکن نہیں ہو سکے گا۔

الغرض ترجمہ کے جائزے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سید منظور حیدر کا ترجمہ ثقافتی ترجمے کی بہترین مثال ہے۔ انھوں نے اپنے کلچر کے ساتھ شدید وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے زبان کو ایسا ارضی لباس پہنایا ہے جو بہت سے دیدہ زیب رنگوں سے مزین ہے۔ ان کے ترجمے میں مقامیت کا رنگ اگرچہ غالب ہے لیکن فکری لحاظ سے وہ اصل مصنف سے بہت قربت رکھتے ہیں۔ وہ مفہوم کو ادا کرنے اور معنویت کی تلاش میں زیادہ دور نہیں گئے بلکہ انھوں نے اصل مصنف کے متن اور مقامی زبان کے دل چسپ اور فکر انگیز عناصر سے شدید رغبت کا اظہار کرتے ہوئے ان کا معنی خیز ملاپ کرا دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حیدر، سید منظور، ہن کی کریے، (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۴ء) ص ح۔
۲۔ ایضا، ص ۱۰
۳۔ حیدر، سید منظور، ہن کی کریے، (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۴ء) ص ح۔
۴۔ ایضاً، ص ۴۸
۵۔ ایضاً، ص ۴۹
۶۔ ایضاً، ص ۵۰
۷۔ ایضاً، ص ۵۲
۸۔ ایضاً، ص ۵
۹۔ ایضا، ص ۱۰
۱۰۔ ایضا، ص ۱۰
۱۱۔ فخری، حاجی احمد، دورِ تراجم، مشمولہ ترجمہ: روایت اور فن (مرتب) نثار احمد قریشی، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۴۰

۱۲۔ حیدر، سید منظور، ہن کی کریے، (لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۴ء) ص ح۔

۱۳۔ بشیر، چوہدری محمد، پنجابی میں اقبال شناسی کی روایت، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، (اسلام آباد: مملوکہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔

۱۴۔ ایضاً، ص۱۴

۱۵۔ ایضاً، ص۱۵

۱۶۔ ایضاً، ص۱۵

۱۷۔ ایضاً، ص۱۸

۱۸۔ نوشاہی، گوہر، ترجمے کا فن اور پنجابی شکوہ (دیباچہ)، مشمولہ پنجابی شکوہ، پیرزادہ فضل احمد فاروقی، پنجابی ادبی اکیڈمی، ۱۹۱۸ء، ص۱۰

۱۹۔ ایضاً، ص۲۰

۲۰۔ ایضاً، ص۲۰

۲۱۔ ایضاً، ص۲۸

۲۲۔ ایضاً، ص۲۸

۲۳۔ ایضاً، ص۳۱

۲۴۔ آغا، وزیر، اردو ادب میں طنز و مزاح، (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۹ء) ص۴۹

۲۵۔ ایضاً، ص۳۳

۲۶۔ ایضاً، ص۳۱

۲۷۔ ایضاً، ص۲۸

۲۸۔ ایضاً، ص۳۶

۲۹۔ ایضاً، ص۱۱

۳۰۔ ایضاً، ص۳۹

۳۱۔ ایضاً، ص۳۶

۳۲۔ ایضاً، ص۳۷

۳۳۔ ایضاً، ص۲۲

۳۴۔ ایضاً، ص۳۷

۳۵۔ ایضاً، ص۳۷

۳۶۔ ایضاً، ص۳۹

۳۷۔ ایضاً، ص۳۸

۳۸۔ ایضاً، ص۸

۳۹۔ بشیر، چوہدری محمد، پنجابی میں اقبال شناسی کی روایت، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، (اسلام آباد: مملوکہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔

۴۰۔ ایضاً، ص۵۴

۴۱۔ ایضاً، ص۵۱

۴۲۔ ایضاً، ص۲۶

۴۳۔ ایضاً، ص۳

۴۴۔ ایضاً، ص۴۶

۴۵۔ ایضاً، ص۴۶

۴۶۔ ایضاً، ص۴۶

۴۷۔ ایضاً، ص۵۰

۴۸۔ جالبی، جمیل، پاکستانی کلچر، (کراچی، نیو مجاز پریس، ۱۹۹۷ء) ص۴۲

References:

1. Haider, syed manzor, hun ki karye,Lahore: bazme iqbal, 1984
2. Azeen, page 10
3. Haider, syed manzor, hun ki karye,Lahore: bazme iqbal, 1984
4. Azeen, page 48
5. Azeen, page 49
6. Azeen, page 50
7. Azeen, page 52
8. Azeen, page 5
9. Azeen, page 10
10. Azeen, page 10
11. Fakhri, haji ahmad, dore tarajim, mashmula tarjma: rawaiyat or fan, murtb nisar ahmad qureshi, Islamabad: muqdara qami zuban 1985, page 40
12. Haider, syed manzor, hun ki karye,Lahore: bazme iqbal, 1984
13. Basher, chaudry Muhammad, Punjabi mein iqbal shanasi ki riwayet, ghair matbuwa muqala braye phd , Islamabad:allama iqbal open university, 2003
14. Azeen, page 14
15. Azeen, page 15
16. Azeen, page 15
17. Azeen, page 18
18. Noshahi, gohar, terjmy ka fan or Punjabi shikwa, mashula Punjabi shikwa, perzada fazal ahmad farooqi, Punjabi adbi academy, 1918, page 10
19. Azeen, page 20
20. Azeen, page 20
21. Azeen, page 28
22. Azeen, page 28
23. Azeen, page 31
24. Wazir agha, urdu adab mein tanz o mizah, Lahore: makba alia,1999, page, 49
25. Azeen, page 33
26. Azeen, page 31

27. Azeen, page 28
28. Azeen, page 36
29. Azeen, page 11
30. Azeen, page 39
31. Azeen, page 36
32. Azeen, page 37
33. Azeen, page 22
34. Azeen, page 37
35. Azeen, page 37
36. Azeen, page 39
37. Azeen, page 38
38. Azeen, page 8
39. Basher, chaudry Muhammad, Punjabi mein iqbal shanasi ki riwayet, ghair matbuwa muqala braye phd , Islamabad:allama iqbal open university, 2003
40. Azeen, page 54
41. Azeen, page 51
42. Azeen, page 26
43. Azeen, page 3
44. Azeen, page 46
45. Azeen, page 46
46. Azeen, page 46
47. Azeen, page 50
48. Jalbi, jameel, Pakistani culture, Karachi: new majaz pres, 1997, page 42